مراثی انیسؔ میں باطل کردار کی عکاسی

وسیم حیدر ہاشمی

دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو اپنے کارناموں اور اپنی صلاحیتوں سے تاریخ کا باب بن جاتے ہیں اور کہاوت اور محاروں کو باطل کردیتے ہیں۔ ایسے چند گنے چنے لوگوں میں ایک نام میر ببر علی انیسؔ کا بھی ہے جس نے شاعری کی بے مثل صلاحیتوں سے کم سے کم دو کہاوتوں کو ایک دم باطل کردیا۔ نمبر ایک اردو کی کہاوت ''... بگڑا شاعر مرثیہ گو...'' اور نمبر دو انگریزی کہاوت ''every peak is vacant'' اس میں کوئی شک نہیں کہ دور جدید کے مرثیہ کے بانی میر ضمیرؔ تھے۔ انہیں کے زمانے میں مستقل طور پر مرثیہ کو مسدس کی شکل میں اپنایا گیا اور اسکے اجزائے ترکیبی بھی طے ہوئے۔ میر انیس تک پہونچتے پہونچتے مرثیہ چونکہ ایک ایسے بیانیہ کی شکل اختیار کرچکا تھا جس میں نظم مثنوی، قصیدہ، منظر نگاری، رزم سراپا، داستان، جابجا تغزل، اساطیر و دیو مالائیں، محاورے، مکالمے اور شاعری کی تمام صفتیں جدید اجزائے ترکیبی کے ساتھ شامل ہوچکی تھیں اور میر انیسؔ کی صلاحیتوں نے ان تمام عناصر کو یکجا کرکے اس صنف شاعری کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچادیا اس لئے اس صنف شاعری میں اب تک کوئی کمی، بیشی یا تبدیلی ممکن نہ ہوسکی اور دنیائے ادب نے اسی کو مستند قرار دے دیا۔ میر انیسؔ کے زمانے میں بھی کم ازکم دوسو سے زائد مرثیہ گو موجود تھے جن میں بہت سے صاحب دیوان بھی ہیں۔ میر مستحسن خلیقؔ اور مرزا سلامت علی دبیرؔ تک ہر مرثیہ گو کے نام کے بعد comma لگتا گیا مگر میر انیسؔ نے اپنی زندگی کا آخری مرثیہ لکھنے کے بعد قلم توڑ کر جو اپنی بیاض بند کی تو نہ صرف ان کی بیاض بند ہوئی بلکہ مرثیہ گوئی پر آخری ''فل اسٹاپ'' لگ گیا اور اسی کے ساتھ درج بالہ دونوں کہاوتیں باطل ہوگئیں۔

جب مولانا الطاف حسین حالیؔ میر انیسؔ سے واقف ہوئے اور ان کی نظروں سے میر انیسؔ کا یہ شعر گزرا کہ:

سبک ہوچلی تھی ترازوئے شعر
مگر ہم نے پلہ گراں کردیا

تو انہوں نے بے اختیار یہ کہہ دیا کہ'' اردو شاعری جو ایک مدت سے مایۂ راکد یعنی رکے ہوئے پانی کی طرح پڑی ہوئی تھی میر انیسؔ نے طوفان وتلاطم پیدا کر دیا''۔[۱]

عام شعرا کی مانند ایک محدود دائرہ تک تو میر انیسؔ کے لئے حالیؔ کی یہ تعریف ٹھیک معلوم ہوتی ہے مگر حالیؔ جیسے صاحب نظر اور صف اول کے تنقید نگار نے بڑی کنجوسی سے کام لیا کیونکہ میر انیسؔ کے تمام خواص سے مولانا بخوبی واقف تھے۔ لیکن نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس کے تحت حالیؔ کے قلم کو لفظوں کی کمی محسوس ہونے لگی اور انہوں نے میر انیسؔ کے معاملے میں انصاف سے کام نہ لیا۔

اپنی اسی کتاب میں واقعات کربلا کی تلخیص لکھتے ہوئے انہوں نے کئی صفحات سیاہ کئے اور پورے واقعات میں انہوں نے'' فوج یزید یا فوج عمر سعد'' لکھنے سے پرہیز کیا۔ بے رحم اور بد کار و سفاک یزید کے لئے انہوں نے ''ایک نالائق'' اور اس کی ظالم فوج کے لئے'' نڈی دل'' جیسا لفظ استعمال کیا ہے۔ انداز ایک دم ایسا ہی ہے جیسے کوئی ناسمجھ اور غیر ذمہ دار بچہ اپنے والدین کا کہنا نہ مانتا ہو۔ ہوسکتا ہے لفظ یزید اور عمر انہیں اتنا مکروہ لگتا ہو کہ جسے لکھنے کے لئے انہیں اپنا قلم جھکانا بھی گراں گزرتا ہو اسی لئے انہوں نے ان مکروہ لفظوں سے پرہیز کیا ہو ورنہ واقعات کربلا کو کتنے بھی مختصر طریقے سے لکھا جائے یزید جیسے بھیڑیا صفت کو'' نالائق کہہ کر گزر جاتا بڑا عجیب لگتا ہے۔اس کے علاوہ جگہ جگہ انہوں نے حضرت امام حسینؑ کو'' نواسۂ رسول کہہ کر مخاطب کیا ہے جو کہ بھلا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ان کی کنیت ہے۔

میر انیسؔ اردو شاعری میں اپنے جن خواص کے لئے سدرۃ المنتہیٰ پر نظر آتے ہیں ان میں انکی فصاحت'بلاغت، سلاست ، روانی ،تشبیہات استعارواشتعارات رزم، منظر کشی سراپا نگاری، کردار نگاری ،مکالمے، حفظ مراتب ،لفظوں کی ترتیب و ترکیب اور ہر جگہ باریک سے باریک بات کا خیال رکھنا قابل ذکر ہے۔

ان اجزاء میں کردار نگاری بھی انیسؔ کی بڑی خصوصیت تھی جسے ہر کسی کے ساتھ انہوں نے نہایت حسن وخوبی سے نبھایا ہے۔ ان کے کرداروں میں جہاں ایک طرف حق کے طرفدار ہیں وہیں دوسری جانب باطل کے نمائندہ کردار بھی ہیں۔ حق کے طرفدار خدا پرستوں کی کردار سازی قدرے آسان محسوس ہوتی ہے کیونکہ ان میں خدا پرستی ،حقانیت اور شجاعت کو اس طرح پیش کرنا مقصود ہوتا ہے

۱۔مقدمہ شعر وشاعری۔مولانا الطاف حسین حالیؔ ۔ص ۱۹۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی

کہ ان کے لئے ہر کس وناکس کے دل میں جگہ پیدا ہو اور آخر میں ان سچے خدا پرستوں کے خواص کو رسولؐ اور علیؑ کے خواص کے آئینہ میں پیش کر دیا جاتا ہے جو اس کا بہترین اور مکمل اختتام محسوس ہوتا ہے مگر اس کے برعکس باطل کی کردار نگاری ایک مشکل کام ہے جسے میر انیسؔ نے اس حسن وخوبی سے پیش کیا کہ کہیں بھی کسی قسم کی کمی یا جھول نہیں آنے دیا اور انکا ہر مصرع ضرورت کے مطابق کبھی ساکن اور کبھی متحرک نظر آتا ہے۔

پیاس کا احساس ہر کسی کو ایک جیسا ہوتا ہے، وہ حق پرست ہو یا باطل پرست۔ پیاس کی شدت کے عالم میں دونوں کے ہونٹ، زبان اور حلق خشک ہو جاتے ہیں اور تکلیف بھی دونوں کو ایک جیسی ہی ہوتی ہے مگر میر انیسؔ کی پیش کش کا انداز دونوں پیاسوں کے لئے ایک دم جدا ہوتا ہے:

(حضرت حر کی فوج) منھ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی۔

(حضرت امام حسینؑ) زبان پیاس کی شدت سے لڑکھڑاتی تھی۔

اسے انیسؔ کی قادر الکلامی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ پیاس کی شدت کے زیر اثر دو انسانی زبانیں ہیں مگر ہمدردی کا جزبہ صرف نمائندہ حق کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ باطل کے ایک اور نمائندے پر یہاں پیاس کا غلبہ ملاحظہ ہو۔اس منظر کی عکاسی، پیاسے ظالم کی کیفیت اور لفظوں کا اتار چڑھاؤ محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے:

دی تھی جو بد دعا اسے شاہ دوسرا نے — اک آگ کلیجے میں لگادی تھی قضا نے
ستوں کے پرے کھولے تھے مشکوں کے دہانے — جلتا ہوا گھر جاتے ہیں جس طرح بجھانے

چلاتا تھا وہ پیاس مری آہ بجھاؤ
اب خانۂ تن جلتا ہے للہ بجھاؤ

تھے پیاس کے گرمی سے زبس جان کے لالے — ساحل پہ گرا جا کے زباں منھ سے نکالے
غیرت سے کھڑے کانپتے تھے دیکھنے والے — جب پانی پیا حلق میں سو پڑ گئے چھالے

ہر موج کا خم اس کے لئے ناگ ہوا تھا
پانی کا بھی اس وقت مزاج آگ ہوا تھا

آنکھوں کو نکالے تھے حبابوں کا تھا یہ حال — موجوں کے طمانچوں سے ہوا جاتا تھا منھ لال
دریا اسے بڑھ بڑھ کے کئے دیتا تھا پامال — مچھلی سا تڑپتا تھا کنارے وہ بد افعال

جھکتا تھا جو پینے کو تو ہٹ جاتا تھا پانی
بڑھتا تھا وہ سفاک تو گھٹ جاتا تھا پانی

اسے انیس کا کمال شاعری ہی تو کہیں گے کہ انہوں نے اپنے شاعرانہ فن سے مردہ دریا میں وہ جان پھونک دی کہ وہ بھی ایسی زندہ ہیئت نظر آنے لگا جسے حق و باطل کی خوب پرکھ تھی۔

جنبش اور رفتار کی پیکر تراشی میں میر انیس اور بھی چابک دستی سے کام لیتے ہیں۔ ان جگہوں پر ان کی خصوصی محارت قابل دید ہے جب کہیں دور عمر سعد لشکر غبار کی مانند نظر آتا ہے۔ بس زمین کو ہلکی سی جنبش ہوتی ہے، کچھ صاف دکھتا نہیں، تصویر بہت آہستہ آہستہ صاف ہوتی ہے۔ یہاں اسی کا بتدریج بیان اس منظر کی جان ہے۔

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشاں — امڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکراں
موجوں کی طرح سب تھیں صفیں پیش و پس رواں — لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادباں
ہلتا تھا دشت کیں، دُہل اس طرح بجتے تھے
باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیوں کے پرے شامیوں کے دل — خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغاباز و پر غل — شکلیں مہیب دیو سے قد ابروؤں پہ بل
بہ خواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے اک طرف سوار — غل ہوگیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
ڈنکے کی دم بدم تھی صدا آسماں کے پار — آگے بڑھے چلو یہ لعینوں کی تھی پکار
گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زریں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

درج ذیل بند پر غور کیجئے تو یہاں بھی آپ ایک عجیب کیفیت سے لطف اندوز ہوں گے۔ میدان جنگ ایک، فوجیں دو۔ ایک حق کا طرفدار دوسرا باطل کا نمائندہ، بس ان کی پیشکش کا طریقہ ہی یہاں خط فاصل پیدا کرتا ہے۔

یک بیک طبلی بجا فوج میں گرجے بادل　　کوہ تھرائے زمین ہل گئی گو نجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل　　مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکل اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوج اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدر کا

درج بالا بند کے اوپر کے چاروں مصروں میں جس طرح جنگ سے قبل کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس میں صنعتیں اور ترکیب والفاظ اشاروں کی صورت نمودار ہوئی ہیں کہیں یہ ذکر نہیں کہ یہ حق پرست ہیں یا باطل کردار سوائے طبل جنگ کے مگر مرثیہ کے طریقہ کے مطابق بیت کے دونوں مصرے حق وباطل کے درمیان واضح خط کھینچ دیتے ہیں جو کہ پورے بند کا کلائی مکس ہے۔

داستان اور مرثیہ میں واضح فرق یہ ہے کہ داستان کے ہر کردار کا خالق خود مصنف ہوتا ہے اور ضرورت کے مطابق جیسے چاہتا ہے اس کردار کو پیش کرتا ہے مگر مرثیہ میں ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ کربلا کے تمام کردار تاریخی ہیں اور تاریخ کربلا لکھی جاچکی ہے ایسی صورت میں نہ تو میر انیسؔ کوئی کردار پیدا کرسکتے تھے اور نہ ہی کسی کردار کے مزاج میں تبدیلی پیدا کرسکتے تھے۔ حق کردار ہو یا باطل سبکو انھیں اسی طرح پیش کرنا ہے جیسے وہ تاریخ میں درج ہیں اور انیسؔ نے کیا بھی ویسا ہی مگر ایک الگ خوبصورتی کے ساتھ جسے ان کی خاص ترکیب کہتے ہیں اور ان کی اسی خاصیت نے انھیں دیگر مرثیہ گویوں سے الگ اور بلند و بالا مقام عطا کیا۔

کردار سازی کے سلسلہ میں نہ جانے کس مغالطے کے تحت ''موازنہ انیسؔ ودبیرؔ'' میں علامہ شبلی نعمانی نے یہ لکھدیا کہ: ''عون ومحمد کی روایت کا سرے سے کہیں پتہ نہ تھا لیکن جب میر انیسؔ نے اس کو مرثیہ میں لکھا تو عام لوگوں کو اس کی واقعیت کا دھوکہ ہوا۔''[۲]

علامہ شبلی نعمانی کے اس قیاس پر ڈاکٹر مسیح الزماں صاحب ''معیار ومیزان'' میں فرماتے ہیں کہ:

''انیسؔ کے معاصرین کے یہاں عون ومحمد کی روایت ملتی ہے۔

اس کے متعلق یہ تحقیق نہیں ہوسکی ہے کہ سب سے پہلے اس کو کس نے نظم کیا ہے۔ لیکن شبلی نے اوپر کے جملے میں یہ فیصلہ کردیا ہے حالانکہ ایک دوسری جگہ پر انہوں نے بھی عدم تحقیق کا اعتراف کیا ہے:

۲۔ موازنہ انیسؔ ودبیرؔ۔ شبلی نعمانی۔ ص ۵۸

''اگر یہ پتہ لگ سکتا کہ دونوں حریفوں میں سے اول کس نے میدان شاعری میں قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے بلکہ خاص خاص بند جو دونوں کے ہاں قریب المعنی پائے جاتے ہیں، اول کس نے کہے تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہوجاتے۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جدوجہد کے اس بارے میں مجھ کو کامیابی نہیں ہوئی۔'' ۳

''جب ایک جگہ مولانا نے اپنی ناکامی کا اعتراف کرلیا تھا تو اور بھی ضروری تھا کہ دوسری جگہ جب وہ اسکے خلاف یہ لکھیں کہ عون ومحمد کی روایت سب سے پہلے انیسؔ نے لکھی تو اس کے نتیجے پر پہونچنے کے قرائن کا ذکر ضرور کرنا تھا ورنہ اسکو صرف بیانات کا تضاد کہا جائے گا۔ ۴

درج بالا دونوں بیانات سے یہ صاف ہوجاتا ہے علامہ شبلی نعمانی کا یہ عمل رواداری کا نتیجہ ہوسکتا ہے ورنہ شبلی جیسے صاحب نظر اور صف اوّل کے محقق سے ایسی امید فضول ہے کہ انہوں نے دانستہ ایسا کیا ہوگا

کردار حق پرست ہو یا باطل کا نمائندہ دونوں کے اسلحے اور جنگ کی پوشاک تقریباً ایک جیسی ہی ہوتی ہے (یہ بات اور ہے کہ انیسؔ نے گرز وتبر جیسے کریہہ اسلحے اپنے ہیرو کے ہاتھ میں دینے سے پرہیز کیا اور تیر وکمان بھی جیب ابن مظاہر تک ہی محدود رکھا) مگر انیسؔ کی پیشکش کے طریقے نے انھیں واضح طور پر الگ کرکے پیش کیا۔ ان کے ہر کردار کا ردعمل اور رفتار وگفتار انھیں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے:

ہر صف میں برچھیاں جو ہزاروں چمکتی تھی　　نوکیں وہ تیز تھیں کہ دلوں میں کھٹکتی تھیں
نیزے تلے ہوئے تھے سنانیں چمکتی تھیں　　ترکش کھلے ہوئے تھے کمانیں کڑکتی تھیں
سنگیں دلوں نے ہاتھوں میں پتھر اٹھائے تھے
تیغوں کے ساتھ گرزگراں سر اٹھائے تھے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش　　کر ہوگئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمین کہ اڑے آسمان کے ہوش　　نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

۳۔ موازنہ انیسؔ و دبیر۔ شبلی نعمانی ص ۲۸، ۴۔ معیار ومیزان۔ ڈاکٹر مسیح الزماں۔ ص ۲۴۰۔۲۴۱۔ رام نرائن لال بنی مادھو، کٹرہ الہ آباد۔ بار سوم ۱۹۸۱ء

انیسؔ کے کلام کی یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے کہ وہ عام محسوسات کے ایک دم قریب نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کسی بھیانک ہتھیار کو دیکھ کر دل و دماغ کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جس قسم کا خوف محسوس ہوتا ہے اس کی بہترین مثال اوپر کے بند کے اس مصرے میں بخوبی نظر آتی ہے: نوکیں وہ تیز تھیں کہ دلوں میں کھٹکتی تھیں

یہاں اس بات کو بڑی آسانی سے محسوس کیا جاسکتا ہے کہ اسلحہ اگر آپ کی مخالفت میں نہ بھی ہو تب بھی اس کی تیزی دل و دماغ پر ڈراونے اثرات تو مسلط کر ہی دیتا ہے۔

حسینؑ اور ان کے ساتھی وہ حق پرست ہیں جن کے مد مقابل تیر بھی ہے، تلوار بھی ہے، لاکھوں کا مجمع بھی ہے، دیوہیکل بد آئین او بد زبان بھی ہیں مگر امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کا سامنا ہوتے ہی وہ سہمے سہمے نظر آتے ہیں۔ ایسے سہمے ہوئے کہ کسی کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ تیر کدھر ہے اور سوفار کدھر، باوجود اسکے کہ میدان میں کمانیں تنی رہتی ہیں مگر حق پرستوں کی دہشت کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے سرزمینوں پر یوں جھکے ہوئے جیسے وہ بھی چھپ جانے کے لئے گوشہ تلاش رہی ہوں۔ افراطفری کا عالم یہ ہے بیرقیں گری جارہی ہیں اور ہاتھوں کے نشانے چھوٹے جارہے ہیں۔ یہ باطل پرست ایسے کردار کے مالک ہیں کہ لڑنا تو دور، کوئی ترکش سے تیر ملانے کی ہمت بھی نہیں بٹور سک رہا ہے۔ روم وشام کی لاتعداد فوجیں، جن کے پاس تیر، تلوار خنجر تبر اور برچھیاں، گوکہ اس زمانے کے تمام جدید ترین اسلحہ جات تھے مگر بیکار۔ میر انیسؔ نے اپنے مراثی میں جس کھلی حقیقت کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ یزیدی لشکر حسینؑ سے نہیں بلکہ ان کی حق پرستی سے خوف زدہ تھا حسینؑ اور ان کے تمام ساتھی کل بہتر (۷۲) اور یزیدی فوج کی تعداد تقریباً تین لاکھ پھر بھی یزیدی خوف زدہ اور حسینؑ اور ان کے ساتھی مطمئن۔ اگر یزیدی فوج کی تعداد تین کے عوض تیس لاکھ بھی ہوتی اور حسینؑ اپنے بہتر ساتھیوں کے بجائے تنہا بھی ہوتے تب بھی یہ جنگ اتنی ہی شاندار ہوتی۔ اس حساب سے تو بہتر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

حضرت قاسم ابن حسنؑ پر فوج یزیدی کا کوئی فرد جب حملہ آور ہوتا ہے تو شقی کا کردار جسامت، طاقت اور ہتھیار ملاحظہ ہو، ان سب سے باطل کی بو آتی ہے اور جب حضرت قاسم کا اس پر ایک وار چلتا ہے تو اس کی انگلیاں درخت کی شاخوں کی مانند کٹ جاتی ہیں یہ باطل پر حق کا وار تھا، اس طرح کی تشبیہات دوسروں کے یہاں عنقہ ہیں، ملاحظہ ہو:

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھاکر بڑھا شریر　　چلّے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دست حسن کا مہ منیر　　بجلی سی آئی کوند کے شمشیر بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

جب حضرت قاسم کے ہاتھوں ارزق کے چاروں بیٹے جہنم رسید ہوجاتے ہیں اس وقت اس کے غصے کا عالم عین فطری اور باطل کردار کی حقیقی جھلک نظر آتا ہے۔ جوش غضب سے آنکھیں سرخ، منہ سے نکلتی ہوئی غصہ کی جوالا، جھنجلا کر کرتے کی جیب پھاڑنا، باطل کردار کے لئے کفن پھاڑنے کی مانند ایک بہترین تشبیہ ہے اور اس پر اس کی غضب ناک آواز یوں لگتی ہے جیسے کوئی دیو چنگھاڑ رہا ہے، یہی باطل کردار کے نمائندے کی مجسم عکاسی ہے:

جیب قبا کو مثل کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

جوش غضب سے سرخ ہوئیں چشم نابکار
مثل تنور منھ سے نکلنے لگا بخار

درج ذیل بند میں بھی اسی کا سراپا بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بھی پیشکش میں کسی قسم کی کجی یا جھول تلاش کر کے بھی نکالنا ممکن نہیں:

شانے پہ تھی شقی کے دوتا نک کی کماں　　ارجن بھی جس سے سہم کے گوشہ میں ہونہاں
چار آئنہ وہ پہلے تھا بر میں کہ الاماں　　دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ بدن بد خصال میں
پکڑا ہے مست پیل کو لوہے کے جال میں

یہاں اس باطل کردار کے تعارف کا آغاز اس کے شانے پر دوتا نک کی کمان سے کرایا گیا ہے۔ میرانیس نے جن اسلحوں کا مظاہرہ اپنے مراثی میں کیا ہے، ان کی تفسیر وتوضیح عام طور پر پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب یا پھر پروفیسر نیر مسعود صاحب کے یہاں بہتر ملتی ہے۔ اس دوتا نک کی کمان کے سلسلہ میں نیر مسعود صاحب ، انشائے دل کشا، سید نثار علی بخاری بریلوی کے حوالے سے

فرماتے ہیں:

''کمان کا چہرہ : کمان لاہوری، سبز رنگ ، دوٹانک، بند سرخ، شنگرفی، لاہوری، چلا ریشم سرخ وسفید بالا پیچ ملال وور گوشہ خم دار، قبضہ گرد خوش آئند یکساں ۔''

(ایک ٹانگ : ساڑھے تین سیر، دوٹانک کی کمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے چلّے میں سات سیر کا وزن لٹکا دیا جائے تو کمان کے دونوں سرے آپس میں مل جائیں گے۔''۵

تقریباً سبھی ناقدین نے متفقہ طور پر یہ تسلیم کیا ہے کہ سراپا نگاری میں میرانیسؔ کا کوئی ثانی نہیں۔ جس طرح وہ آلِ رسولؐ اور ان کے ساتھیوں کا سراپا بیان کرتے ہوئے اس میں ہر قسم کی نزاکت کا خیال رکھتے ہیں ٹھیک اسی طرح باطل کردار کا سراپا بیان کرنے میں بھی وہ کسی طرح کی کجی یا جھول برداشت نہیں کرتے۔ اس کی پوشاک ہو یا ہتھیار، سب کے چہرے ومزاج کا خیال ہر بند میں تو کیا ہر مصرع میں نمایاں ملتا ہے شقی کے ہاتھ میں برچھی اور سر پر آہنی خود کا کا بیان یوں کرتے ہیں:

برچھی کے پھل پہ ہوتا تھا شعلوں کا اشتباہ
گل خن بنی ہوئی تھی ہر ایک آہنی کلاہ

مگر اس کے برعکس یہی برچھی اور خود جب وہ کسی حق پرست کے ساتھ دیکھتے ہیں تو اس کا بیان یوں کرتے ہیں:

نیزۂ حر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ   تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مار سیاہ
قبضہ تیغ یہ رکھے ہے سرا جز پناہ   آفتابی وہ سپر جس سے خجل کرۂ ماہ
قدر اندازوں کے جانوں کے ادھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

نیزے کی سناں کی تشبیہ مار سیاہ اور ترکش سے جھانکتے تیر آگ کے پرکالے نے عام طور پر اس طرح کی تشبیہات میرانیسؔ نے باطل کردار کے نمائندوں کے ساتھ پیش کی ہیں مگر یہاں حضرت حر کے ہمراہ یہ تشبیہات لاکر میر صاحب نے بتادیا کہ انہیں ہر لفظ پر قدرت حاصل ہے۔ وہ جس لفظ کو جہاں چاہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرسکتے ہیں۔ پھر جان کے لالے جیسا روز مرہ تو انیسؔ کا ہے ہی۔ اس کے برعکس درج ذیل بند ملاحظہ ہو جس میں باطل کردار کا سراپا اس حسن وخوبی سے بیان

۵۔ اودھ میں فن سپہ گری۔ پروفیسر نیر مسعود۔ نیا دور۔ اودھ نمبر حصہ دوم۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۴

کیا گیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے:

مغفر تنور تھا تو زرہ موج رودنیل　　عمرو بن عبدود سے بھی قامت میں کچھ طویل
حملے میں جو تھا دیو تو ٹکر میں مست فیل　　بے مثل بغض وکیں میں عداوت میں بے عدیل
فوجیں ھوں گر تو منھ پھرائے نہ حرب سے
دل کیا پہاڑ کانپتے تھے جس کی ضرب سے

بے مثل ، بے عدیل و بے نظیر جیسے الفاظ عام طور پر حق پرستوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مگر میر انیسؔ نے جس طرح مار سیاہ اور آگ کے پرکالے جیسی تشبیہات حضرت کے ساتھ پیش کیں اسی طرح حق پرست کرداروں کے لئے وقف الفاظ باطل کردار کے ساتھ بھی جس طرح نبھائے ہیں یہ انھیں کا حق ہے۔

تیغے کا وہ چڑھا ہوا پٹھا کہ الاماں　　بالائے دوش نخس کئی ٹانک کی کماں
پر خاش خو، مہیب نظر اژدر زماں　　بدعت کا در، فریب کا گھر، مفسد زماں
افزوں تھا کیدو مکر میں ابن زیاد سے
رگ رگ بھری ہوئی تھی عناد و فساد سے

شرمندہ جس سے قیر وہ چہرہ سیاہ رنگ　　رسوائے زنگ بار سواد حبش کا ننگ
ماتھا بھی تنگ ہاتھ بھی کوتاہ دل بھی تنگ　　قتال بد مزاج سلح شورہ وخانہ جنگ

اوپر کے دونوں بند میں جہاں انیسؔ نے منفی لفظوں سے حسن پیدا کیا وہیں ان دونوں بند میں مثبت حرف خواص کے ہمراہ رکھ کر یہ بتادیا کہ وہ فعل کے محتاج نہیں اور ''قتال'' بدمزاج سلحشور خانہ جنگ'' جیسے مصرع بھی بحسن خوبی یوں ہی پیدا کر سکتے ہیں ۔ اگر وہ چاہیں تو تیغ کے چڑھے ہوئے پٹھے کے لئے سوتشبیہات ہموار کرسکتے ہیں ۔ اگر نہ چاہیں تو صرف الاماں کہ کر وہیں ساکن کرسکتے ہیں۔'' پرخاش خو'' کی تشبیہ ایک دم انوکھی ہے جبکہ جسامت میں قوی ہیکل اژدہا، مزاج میں فریب ، زمانے بھر میں مشہور مفسد ، مکاری میں ابن زیاد بھی مات گوکہ اس کی رگ رگ میں خون نہیں بلکہ فتنہ، عناد وفساد رواں دواں تھے جو کہ کی طبیعت کا حال بیان کرتے ہیں۔ روسیاہ ، دل تنگ ، ماتھا

تنگ، کوتاہ ہاتھ، بدمزاج اور طبیعت میں خانہ جنگی جیسے لفظوں کا امتزاج اس پورے بند کی جان ہے۔ یہاں اجزائے ترکیبی اور پیشکش نے مل جل کر ایک ایسے بھیانک اور سفاک کردار کو پیش کیا ہے جس کے مدمقابل چودہ برس کا ایک خوبصورت گلبدن ہے جس کی شادی ابھی کل ہی ہوئی ہے۔

میر انیسؔ نے ارژق کا سراپا بھی کچھ اس طرح سے بیان کیا ہے: ارژق اپنے شانے پر دوٹانک کی کمان رکھے ہوئے اس طرح چلا آتا ہے کہ ارجن (مہابھارتؔ کا وہ کردار جس کی تیر اندازی کا کوئی ثانی نہ تھا) بھی سہم کر کسی گوشے میں چھپ جائے۔ چار آئنے کا وزن اتنا کہ زمین کے نیچے رستم جیسے پہلوان کی ہڈیاں بھی دب جائیں۔ اس کے جسم پر آہنی زرہ ایسی محسوس ہورہی ہے گویا کسی مست ہاتھی کو (جس پر ایسی کیفیت طاری رہتی ہے کہ وہ بے قابو اور خوں خوار ہوجاتا ہے اسی لئے اسے ایسی آہنی زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا ہے) لوہے کی زنجیروں کے جال میں جکڑا گیا ہو۔

اس کے علاوہ میر انیسؔ کا وہ مرثیہ جس کا چہرہ: ''جب بادبان کشتی شاہ امم گرا'' ہے، میں بھی انہوں نے باطل کردار کی عکاسی یوں کی ہے جو ناقابل فراموش ہے۔ اس مرثیہ کے چند بہترین بند پیش خدمت ہیں:

جب خوب لڑ چکا شہ دیں کا سرور جان — نکلا ادھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بدشرشت و بدآئین و بدزباں — سرہنگ و جنگ جو و سلحشور و پہلواں
غرا تھا اپنے آپ پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

افزوں تھا دیو سے تن و توش نابکار — قوت میں عمرو عنتر و مرحب کا یادگار
اسفند یار و عصر و نمودار و نامدار — شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گل میں تھا
نہ آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا

بار گناہ حاکم فاسق تھا خود سیر — تھی رو سیاہی پسر سعد کی سپر
ذی جوشن شقی کا جو تھا ناخلف پسر — پہنے تھا اس کی تن کی زرہ برمیں بدگہر

ظاہر کماں سے سرکشی بد نہاد تھی
قبضہ میں تیغ بدعت ابن زیاد تھی

وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نور رب یہ رشک آفتاب درخشاں وہ تیرہ شب
وہ ننگ روزگار تو یہ عزت عرب یہ خیر میں رسولؐ وہ شر میں ابو لہب
کاذب تھا وہ شقی یہ صداقت نشان تھے
وہ جسم کفر تھا تو یہ ایماں کی جان تھے

درج بالا مرثیہ میں پہلے بند کا تیسرا اور چوتھا مصرع اس کردار کے تعارف کا آغاز ہے اور بیت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ بھی نہ سمجھتا تھا، ساری خوبیوں سے پر کردیا کیونکہ اب اس کے بعد باقی بھی کیا رہ جاتا ہے؟ اسی طرف دوسرے بند کی بیت میں شورش وستم اور حیا ورحم کا امتزاج بھی بے مثل ہے۔ بارگناہ، حاکم فاسق، خوسر، پسر سعد کی روسیاہی اور اس کی سپر، ابن زیاد کی بدعت اور اس شقی کی تیغ، سبحان اللہ، باطل کردار کے لئے ایسی تشبیہات، اس طرح کے استعارے لفظوں کی یہ ترکیب، ایسی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ، کسی دوسرے کے یہاں اتفاق ہی ہوسکتا ہے۔ ''اسفندیار عصر نمودار ونامدار۔ شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار۔'' یہ بھی تعریفی کلمات ہیں جو عام طور پر ہیرو کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر یہاں پر انیسؔ نے ایک بدکردار کے لئے اس طرح کے الفاظ جس طرح نبھائے ہیں یہ انھیں کا حق ہے ورنہ نمودار ونامدار جیسے لفظ اور باطل کردار، تصور بھی دشوار ہے۔

باطل کردار ہوں یا حق پرست، تقریباً سبھی جنگجوؤں کے طریقے ایک سے ہوتے ہیں۔ ان کا ہتھیار سج کر میدان میں آنا، رجز خوانی کرنا، تلوار بازی یا نیزہ بازی کرنا، سب قریب قریب ایک جیسا ہوتا ہے۔ حق اور باطل کردار کے لحاظ سے ان میں خط فاصل برقرار رکھنا بڑی باریکی کا کام ہے جو کہ اصلاً میر انیسؔ کا حصہ ہے کیونکہ جب وہ ان کرداروں کو پیش کرتے ہیں تو یہ انکا خاص بیانیہ محسوس ہوتا ہے جس میں یہ دونوں کردار حرکات وسکنات سے اصلیت ظاہر کرتے ہیں۔

باطل کردار کی پیشکش حق کردار کے مقابلے بہت مشکل ہے، خاص کر باطل کردار کی رجز خوانی اور سراپا مگر میر انیسؔ نے اپنی ذہانت وعلمیت اور لفظوں کے ذخیرے کی بدولت اسے آسان کردیا۔ درج ذیل بند میں بھی یہی خوبیاں دکھائی دیتی ہیں:

نکلا یہ سن کے غیظ میں اک پہلوان روم گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ و پُر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم لنگر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

ٹکڑے کرے پہاڑ کے وہ گرز گاؤ سر پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ بر میں بد گہر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی کمر
دستانے دونوں دست تعدی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

یہاں اس رومی پہلوان کا سراپا مذکور ہے جس کے لنگر کے وزن سے زمین ہل جاتی ہے۔ کفر و شرک میں مرحب اور طاقت میں گیو (پہلوان) پر سبقت رکھتا تھا۔ خود وہ اور اس کے گھوڑے کی ہیئت ایسی تھی جیسے گھوڑے پر کوئی انسان نہ سوار ہو کر کسی پہاڑی پر دیو ہو۔ ایسے دیو ہیکل شخص کے سراپے میں اس وقت چار چاند لگ جاتا ہے جب اس کے گھوڑے کی سراپا نگاری بھی اس طرح کی گئی ہو کہ اس کی پاکھر (جو عام طور سے چمڑے کی ہوتی ہے) بھی آہنی ہو اور اسے پہاڑی سے تشبیہ دی گئی ہو۔ یہاں جس تشبیہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مشبہ اگر گیو اور دیو ہے تو دوسری طرف پہاڑی۔ اگر انیسؔ اس جگہ گھوڑے کی جسامت وقوت کو نظر انداز کر دیتے تو اس بند میں وہ خوبصورتی ہرگز نہ پیدا ہوتی جس کی توقع صرف میر انیسؔ سے ہی کی جاسکتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ کا اٹھارہ سالہ کڑیل جوان بیٹا، اب کوئی صاحب دل یہ محسوس کرے کہ اس دیو ہیکل درندے کے مقابلے پر علی اکبر ہیں، جس پر تین دنوں کی بھوک پیاس کا غلبہ ہے، بھائی اور چچا کے غم کا اثر دل و دماغ پر ہے "پرواہ رے حواس کہ ابرو پہ نہ تھا بَل"۔ اس طرح کا ٹھہراؤ صرف میر انیسؔ کے یہاں ہی مل سکتا ہے کہ اس طویل قامت اور بھیانک دیو پیکر کو دیکھ کر ایسے وقت و حالات میں ان کے منہ سے یہ جملہ ادا ہوتا ہے:

اکبر تو مسکرائے ستمگر کو دیکھ کر
فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور ؟ "

علی اکبر کا صرف یہی ایک جملہ کہ آدمی ہے یا صحرا کا جانور؟ شقی کے جوش وخروش اور غرے پر پانی پھیر کر اس کا حوصلہ پست کر دینے کو کافی تھا۔

حضرت امام حسینؑ کے مد مقابل جو پہلوان آیا ہے اسکا سراپا ملاحظہ ہو کہ کوئی انسان تو ایسے پہلوان سے جنگ کا تصور بھی نہیں کرسکتا پر ان حق پرستوں کا کیا مقابلہ۔ وہ بخوبی یہ سمجھتے تھے کہ یہاں ''طاقت کا جائزہ ہے۔شجاعت کا امتحان'' اور حسینؑ کے پاس تو صبر و شجاعت دونوں ہی تھے:

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر روئیں تن وسیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر تیغین ہزار ٹوٹ گئیں جس پر وہ سیر
دل میں بدی طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر سوار تھا
ساتھ اسکے اور تھا اسی قامت کا ایک یل آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار ستمگار و پر دغل جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکر وں کا دل
بھالے لئے ہوئے کسے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضرب گرز پہ یہ تیغ و تیر پر

اگر غور کیا جائے تو کربلا کی جنگ میں ایک اور خاص بات نظر آئے گی اور وہ یہ ہے کہ یزید کی جانب سے جتنے بھی لوگ علی اکبر حضرت قاسم عون ومحمد، حضرت عباس، حضرت حر یا حسینؑ کے کسی بھی ساتھی سے لڑنے کو آئے تو شروع شروع میں نہ وہ غصے میں تھے نہ جھنجلائے ہوئے چہ جائے کہ بعد میں وہ غصے میں بھی نظر آئے اور جنگ کے شرائط کے خلاف انھیں گھیر کر شہید کیا مگر امام حسین کے ساتھ ایسا دیکھنے کو نہیں ملا۔ یہاں بھی دو پہلوان اور لشکر۔ ایک یوں نظر آتا ہے جیسے وہ گھوڑے پر نہیں بلکہ ہوا پر سوار ہو اور دوسرا اسی قد و قامت کا اور لشکر کے ساتھ یہاں دوسرے بند کے چوتھے مصرع کی پیشکش پورے بند کی جان ہے'' جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکر وں کا دل'' اس مصرعے میں جو وحشیانہ عناصر نظر آتے ہیں وہ باطل کردار کے خواص کی ایک بے مثل دلیل ہے، یہی میر انیسؔ کا اپنا روز مرہ ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں۔ اس شقی کے وحشیانہ مظاہرے کے سامنے انس اور ارژق بھی بونے نظر آتے ہیں۔

یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ جتنے ظالم شروع شروع میں حضرت قاسم یا علی اکبر سے جنگ کو آئے ان کے سراپے بھی ایسے ہی تھے جیسے ایک باطل کردار کے ہونے چاہئے مگر ان میں شروع شروع میں غیظ وغضب کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ ارژق نے تو عمر سعد سے شروع میں یہ کہہ کر لڑنے سے انکار کردیا تھا کہ لڑکے سے لڑوں میں یہ میری عقل سے ہے دور"

مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہوجاؤں گا بدنام شجاعان عرب میں

مگر جب اس کے چاروں بیٹے اس کی آنکھ کے سامنے جہنم رسید ہوجاتے ہیں تب وہ غضب ناک ہوکر حملہ آور ہوتا ہے۔ یکے بعد دیگرے چار بیٹوں کا آنکھوں کے سامنے مارے جانے کے بعد ارژق کی حالت فطرت کا عین تقاضہ تھی:

چاروں پسر ارژق کو نظر آئے جو بے دم — اک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اس دم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصت ماتم — باندھا کمر نخس کو زنجیر سے محکم

بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتال عرب سے
آنکھیں ہوئیں دوکاسۂ خون جوش غضب سے

جب بھی کوئی شقی حضرت امام حسینؑ کے مقابلے میں آتا ہے تو وہ پہلے سے ہی غصہ میں بھرا ہوتا ہے کیونکہ اس کا کوئی نہ کوئی اپنا امام یا ان کے کسی ساتھی کے ہاتھوں مارا جاچکا ہے۔ یہی فطرت کا تقاضہ ہے جس کی عکاسی میر انیسؔ کے یہاں بڑی خوبصورتی سے نظر آتی ہے۔ درج بالہ بند جس کا چہرہ" جب مرچکے زینب کے پسر فوج ستم میں" ہے، اس میں تین بند ایسے اور بھی ہیں جس کو باطل کردار کی بہترین سراپانگاری کہا جاسکتا ہے۔ اس بند میں سراپانگاری کے تمام عناصر قابل غور ہیں۔ سراپانگاری میں جن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے ان سبھی باتوں کا خیال میر انیسؔ نے رکھا ہے۔ صورت، سیرت، رفتار وگفتار گو کہ ہر چیز قابل غور ہے۔

آیا وہ ستمگار سجے اسلحے تن پر — شانے پہ کماں رخ پہ جھلم فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورت اژدر — بر میں توزرہ اور کمر نخس میں خنجر

کف غیظ سے منھ میں سخن سخت زبان پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

نیزہ صفت مار زباں منہ سے نکالے ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
تلوار کا منھ ایسا کہ فولاد کو کھالے ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آئینہ وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے
اور زیر زرہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر خنجر نہ کرے جس پہ اثر اور نہ جمدھر
زنجیر سے باندھے تھا کمریوں وہ ستمگر حلقے میں ہو جس طرح لئے کوہ کو اژدر
وہ رشک تہمتن توفرس پیل دماں تھا
اسوار نہ تھا کوہ پہ اک کوہ گراں تھا

باطل کردار کی سراپا نگاری کے وقت میر انیسؔ نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ'' لفظ مغلق نہ ہوں گنجلک نہ ہوں تعقید نہ ہو'' کیونکہ رسولؐ اور آل رسولؐ کا سراپا بیان کرنا تو قدرے آسان ہے اور ان لوگوں کی جانب سے پڑھی جانے والی رجز سے سبھی واقف ہیں جبکہ باطل کردار سے رجز خوانی بہت مشکل ہے پھر بھی میر انیسؔ نے باطل کردار سے بھی رجز خوانی میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ'' ہر سخن'' موقع و ہر نکتہ مقامی دارد'' اگر حق اور باطل دونوں کرداروں کی رجز خوانی پر غور کریں تو بیان میں کہیں جھول نظر نہ آئے گا۔

حق کردار

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کروں
آئے غضب خدا کا ادھر رخ جدھر کروں
بے جبرئیل کار قضائے قدر کروں
انگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
رکھدوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی
یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زمین پر
جب ہاتھ اٹھائیں برق گری ہے زمین پر

خیبر میں کیا گزرگئی روح الامین پر
کاٹے ہیں کس کی تیغ دوپیکر نے تین پر
جس وقت ضرب شیر خدا یاد آئی ہے
ماہی سمیت گاوے زمیں تھرتھرائی ہے

کیا کیا لڑے ہیں خیبرو بدرو تبوک میں
یہ ہاتھ پیاس میں نہ رکے ہیں نہ بھوک میں
شہرہ ہے اپنی جو دو سخا کاملوک میں
حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سردے دیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

باطل کردار

قاسم کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر
مشہور ہے دست ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے جو نیزہ و گرزوتبر وتیر
اے طفل حسن اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تومور سے کمزور ہے میں پیلِ زماں ہوں

مجھ سے کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد
ہوں رستم و سہراب ونریماں کا ہم آورد
جلاد فلک کا ہے میرے خوف سے منہ زرد
پٹکوں جسے میداں میں زمین سے نہ اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناگیر کو ماروں
سرمد ہو گراک گرز گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستمؔ مرے آگے یہ نہیں تاب
پنجے میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردن سہرابؔ
جھیدوں دل ارجنؔ جو کروں تیر کو پر آب
تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب

اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

درج بالا بند جس کا چہرہ ''نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے'' ہے، اس میں حضرت امام حسینؑ فوج اعدا سے مخاطب ہو کر رجز خوانی کرتے ہوئے انھیں جنگ سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔'' لازم ہے یہ سخن کہ ہوں میں ھادی جہاں'' میرا قہر و غضب خدا کے قہر کا نمونہ ہے، بے جبرئیل کار قضا و قدر کا اختیار بھی مجھے ہے، اس کے علاوہ بھی مجھ میں وہ طاقت ہے کہ میں چاہوں تو انگلی کے اشارے سے چاند کے ٹکڑے بھی کر سکتا ہوں۔ یعنی میں بھی رسولؐ اسلام کی مانند معجز نما ہوں۔ لشکر یزید نے حسینؑ کی قدر و منزلت کی طرف سے نگاہیں پھیر لی تھیں مگر رسولؐ کی رسالت سے انھیں انکار نہ تھا۔ اس بند کے چاروں مصروں میں جو دعوے پیش کئے گئے ہیں ان کی دلیل جس خوبصورتی سے پیش کی گئی ہے در اصل وہی اس بند کا حسن ہے کیونکہ کسی کا موازنہ رسولؐ سے کرنا اور اسی خوبصورتی سے نبھا دینا بڑی بات ہے۔ شق القمر رسولؐ کا ادنیٰ سا کارنامہ تھا اگر میں رسولؐ کی طاقت دکھاؤں (اور دکھا بھی سکتا ہوں) تو چاند کی کیا بساط، میں سورج کو بھی چیر سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر حسین نے رسولؐ اور خود کو پہنچوایا ہے۔ یہاں جس طرح حسین کو رسولؐ کے معجزے سے جوڑ کر رسولؐ کو ہزار گنا بلند و بالہ بتایا گیا ہے۔ انیسؔ کی یہی ذہانت اس بند کی آبرو بن گئی۔ جس طرح یہ رجز خوانی حق کردار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسی طرح ارژق بھی حضرت قاسم سے ہمکلام ہے۔ اسکی رجز کے یہ جملے کہ میری تلوار کوئی عام اسلحہ نہیں بلکہ یہ ملک الموت کا ہاتھ (مقصد دھمکانا) اور بیت کا دوسرا مصرع کہ تو چیونٹی سے کمزور اور میں ہاتھی (مقصد خوف زدہ کرنا) رجز کے لحاظ سے یہ دونوں بند بھی حق کردار کی رجز کے مانند بھرپور مکمل ہیں۔ اس کے ساتھ درج بالا بند میں تیسرے کا ذکر آتا ہے، جس کا چہرہ: آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی'' یہ رجز خوانی حسینی فوج کے علم بردار حضرت عباس کی ہے۔ دونوں بند کی رجز کی مانند اس بند میں یزیدی فوج کو لڑائی سے باز آجانے کی ہدایت مذکور ہے۔ جو حق کردار کی رجز کا عام رنگ

ہے۔ یعنی ہم حق پرست لوگ جنگ نہیں صلح چاہتے ہیں جبکہ یزیدی فوج کی طرف سے پڑھی جانے والی رجز کا مقصد ہی دھمکانے اور ڈرانے کی کوشش ہوتی ہے۔ وہ بھی یوں کہ گویا وہ اپنے دلوں میں گھر کیے ہوئے خوف و ہراس کو مٹانے کی کوشش کررہے ہیں ۔ انیسؔ کی یہی خوبی ایسی ہے کہ جس کی بدولت باطل کردار کی عکاسی اور ان کی سراپا نگاری کا حسن ایک ایک مصرع میں نمایاں نظر آتا ہے۔

شاعر چھوٹا ہو یا بڑا، ہر شاعر کی عین خواہش یہی ہوتی کہ اس کا ہر شعر صاحب عقل وفہم کی داد کا نشانہ بنے۔ اسی خیال کے پیش نظر وہ ہر شعر پر اپنی ساری قوت تخیل صرف کردیتا ہے مگر صاحب فہم کی داد تب تک ممکن نہیں ہوتی جب تک کہ شعر میں بلاغت نہ ہو اور اگر بلاغت کسی سبب ہدف بنے بھی تو کم ازکم فصاحت کی تاکہ شعر کو شعر ہی کہا جاسکے تک بندی نہیں ۔ ایک شعر کے معیار کی پرکھ جن چیزوں پر ہوتی ہے ان میں صنعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اچھے کلام میں سلاست، روانی فصاحت اور بلاغت کے ہمراہ متعدد صنعتیں بھی ضروری ہیں۔ تمام صنعتوں میں کم ازکم ایک صنعت تو ایسی ضرور ہے جسے میر انیسؔ کے کلام میں اکثر دیکھا جاتا ہے اور وہ ہے صنعت تضاد، جس نے انیسؔ کے ہر اس شعر کا حسن دوبالا کردیا جہاں انہوں نے صنعت تضاد کا استعمال کیا ہے۔ باطل کردار کی پیشکش میں بھی اس صنعت کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح حق کے کردار کی پیشکش میں۔ مثلاً

دو ٹکڑے کروں گا تجھے، یکتائے جہاں ہوں
تو مور سے کمزور ہے، میں پیل زماں ہوں

بیت کے اس شعر میں ''دو ٹکڑے'' اور ''یکتائے جہاں'' ''چیونٹی اور ہاتھی'' صنعت تضاد کی بہترین مثال ہے۔ اس طرح کی صنعتوں سے انیسؔ کا کلام بھرا پڑا ہے اور بعض مواقع پر بھی یہی صنعت بلاغت کا سبب بن گئی ہے۔

اب تک باطل کردار کے سراپے اور رجز کے ذریعہ ان کا تعارف کرایا گیا جو اپنے آپ میں مکمل تھا۔ ان کرداروں کا دوسرا تعارف بھی میر انیسؔ کے یہاں اسی آن بان سے ملتا ہے ۔ یہ طرز بیان وہ ہے جب یہ کردار تنہا نہ ہو کر جھنڈ کی شکل میں ہوتے، آپس میں گفتگو کرتے ہیں یا حاکم کے حکم سن رہے ہوتے ہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں ہی باطل کردار ہیں مگر ان کی پیشکش کا طریقہ عین ویسا ہی جیسا قرین قیاس۔

کہتا تھا شمر آکے ہر یک جنگ جو کے پاس ہاں صفدران شام خبردار ہوش باش
مردوں کو معرکہ میں نہیں چاہیے ہراس بڑھنے نہ پائے حضرت عباس حق شناس
لاکھوں ہو تم ، وہ ایک ہے پیاسے کو لوک لو
جانیں لڑاکے شیر کے حملے کو روک لو

ہے رستمی کا وقت دغا کا مقام ہے مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
عالم میں شور و طنطنۂ فوج شام ہے حیدر کے اس نشاں کو مٹادو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مرجائیں گے حسین کمر ٹوٹ جائے گی

اس قسم کے بیانیہ کا ایک منظر پیش خدمت ہے جس میں باطل کردار کی ہر حرکات وسکنات قابل غور اور قابل تعریف ہے۔ اس طرح کے منظر بیان کرتے وقت بھی میر انیس نے باریک سے باریک بات کا خیال رکھا ہے:

اس کثرت سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم آپہونچا شام سے پسر سعد شوم شوم
جس کے جلوں میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم اکثر ہیں یکہ تاز جوانان شام وروم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند وبست لڑائی کا ہوئے گا

اترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر
خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہیں زہرا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر آئے تھے یاں اتر نے کی خاطر امام دہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر ہم نے اٹھادیا انہیں لیکن بجبر و قہر
عباس مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو
شبیر پھیرلے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ میں ہے خیمۂ زنگاری چین　　راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
پہروں علی کی بیٹیاں روتی ہیں کرکے بین　　آفت میں مبتلا ہے محمدؐ کا نور عین
بچوں کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سائے میں ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہ امم　　سنتے تھے وہ سپاہ حسینی کی دھوم ہم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم　　فاقوں کے مارے دم میں کسی کے نہیں ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
میں نے ہی خود گنا ہے اکاسی جوان ہیں

ہے اک علم یہ قلت لشکر کا ہے نشاں　　یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کارواں
اردو میں جنس غم کے سوا جنس ہے گراں　　غلہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و ناں
اسوار بھی قلیل ہیں پیارے بھی تھوڑے ہیں
کل سترہ تو اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں

پہلے بند کی بیت میں ''اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہوئے گا'' یہ جملہ عمر سعد کا خود سے بات کرنا، اپنے مستحکم ارادے کی طرف اشارہ اور اپنی ایک لاکھ سپائیوں پر مشتمل فوج کو ہدایت بھی ہے۔ ایک چھوٹے سے لفظ کو سامعین کے دماغ میں اس طرح سے پھیلا دینے کا گر مرثیہ گویوں میں صرف انیسؔ کے یہاں ملتا ہے۔ دوسرے بند کی بیت میں دریا کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ باطل کردار کی ذہنیت کی طرف بہترین اشارے کی نمائندگی کرتا ہے اور تیسرے بند کی بیت میں شبیرؑ کا عباس کو پھیر لے جانا۔ اس سے بہتر لفظ کا تصور بھی محال ہے۔ حسینؑ کے اس عمل سے باطل کردار کی خوف زدگی کم ہوتی نظر آتی ہے۔ چوتھے اور پانچویں بند میں صرف ایک علم سترہ اونٹ اور بیس گھوڑوں کے ہمراہ خولی کا چشم دید بیان کہ میں نے خود گنا ہے۔'' اکیاسی جوان ہیں۔ باطل کردار کو اگر بزدل خصلت سے منسوب کرکے دیکھا جائے تو یہ بیان ان کے لئے اطمینان بخش اور رسائنفک بھی ہے کیونکہ مخالف فوج کی طاقت اور کارکردگی ہمیشہ کم کرکے دیکھی جاتی ہے جب کہ یہ تو حقیقت بھی تھی۔ ویسے اس مصرعے کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ'' اکیاسی جوان۔ حسینؑ کے لئے ہمدردی پیدا کرتا ہے، اس طرح حسن اور دوبالہ ہوجاتا ہے۔

میر انیسؔ کے مراثی کے بہت سے متن پروفیسر سعید مسعود حسن رضوی ادیبؔ نے تیار کیے مگر ان کے مراثی دوسروں کے ساتھ اس قدر خلط ملط ہیں کہ اب تک یہ طے نہ ہوسکا کہ ان کے کل مراثی کی تعداد کتنی ہے، جنہیں دوسروں کے مراثی سے الگ کرنا بے حد ضروری ہے۔ اسی طرح تھوڑی اور توجہ کے ساتھ انیسؔ کے مراثی کا مطالعہ کیا جائے تو ایک بات اور بھی سامنے آتی ہے کہ میر انیسؔ کے شروعاتی مرثیے کا رنگ جو انہوں نے اپنے فیض آباد رہائش کے دوران کہے تھے ان مراثی سے قدرے جدا ہے جو انہوں نے لکھنؤ کی مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد کہے ہیں۔ اس طرح میر انیسؔ کے کلام میں دو جدا جدا رنگ ملتے ہیں مگر افسوس کہ اب تک میر انیسؔ کے کسی بھی ماہر انیسیات نے انہیں الگ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی جبکہ اس کی بھی شدید ضرورت ہے۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ پروفیسر سید محمد عقیل رضوی مولانا ضمیر اختر (پاکستان)، پروفیسر سید جعفر رضا، ڈاکٹر مسیح الزماں، پروفیسر نیر مسعود، پروفیسر شارب ردولوی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ وغیرہ کے بعد بھی میر انیسؔ پر ابھی بہت کام کیا جانا باقی ہے تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو شاعری کا محور فقط میر، غالب اور اقبالؔ ہی نہیں تھے بلکہ میر انیسؔ نے اردو شاعری کو پروان چڑھانے میں غیر معمولی اور نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور ان کے مراثی نہ صرف اردو شاعری میں رزمیہ اشعار کی کمی کو پورا کرتے ہیں بلکہ موضوعاتی اعتبار سے ان میں دیگر اصناف شاعری کی جھلک بدرجۂ اتم محسوس کی جاسکتی ہے جو میر انیس اور اردو شاعری کی بقا کی ضمانت ہے۔